Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189

http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

Iqbal and Modern Scientific Theories
اقبال اور جدید سائنسی نظریات

Dr. Uzma Noreen

Lecturer Urdu Department G.C Women University Sialkot

ABSTRACT

The era to which Iqbal belongs is the era of the scientific revolution. In this era, classical physics had begun to take a critical look at its own foundations and the idol of scientific materialism was beginning to collapse. Thus, the harmonies between physics and metaphysics began to be traced. Iqbal believed that science was not a rival of religion in reaching absolute reality, but an ally. He studied the modern scientific theories of his time with great interest. Thus, he was not only well aware of the theories of Einstein, Max Planck, Heisenberg, Whitehead and Oddington, but also had the ability to critically evaluate them. This research study has examined Iqbal's opinion on science and scientific methodology and the impact that scientific theories have had on his thoughts, as well as what are the limitations of science in his view and what are its social implications and how the gap between science and religion can be reduced.

Keywords: Iqbal, scientific revolution, classical physics, Scientific Materialism, Einstein, Max Planck, Heisenberg, Whitehead, Oddington, Scientific methodology, Scientific Theories.

انسانی فکر و ذہن، زمان و مکان، سائنس، ادب ، فنون اور حدبندیوں سے آزاد ہی ہوتا ہے۔البتہ اگر شاعر کسی سائنسی طرزِ فکر کو اپنی شعری تخلیقات میں بروئے کار لاتا ہے تو پھر ا س میں اس کی علمی استعداد نظر آتی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کوئی بھی تخلیق کار ،سائنس دان یا کسی بھی فن میں پھر اپنی زبان سے اعتراف کرے یا نہ کرے مگر وہ ہر لحظہ اپنے عمل سے اظہار کرتے رہتے ہیں کہ ان کے اردگرد ایک حیران کُن اور دل فریب طبعی کائنات موجود ہے۔اس کائنات میں مکمل ہم آہنگی اور ربط و تسلسل موجود ہے جو ا س کی وسعتوں میں کہیں نہیں ٹوٹتا اور اس کے نغمے شاعریا تخلیق کار کے فن میں نظرآتے ہیں۔ اس کائنات کے بارے میں سارے تخلیق کار واقف ہیں کہ یہ جہاں قدم قدم پر فکر و دانش سے مملو ہے اور اس کی شہادت دنیا کا ہر ذرہ دے رہا ہے۔ادیب

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189

http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

اور شاعر بھی اس بحرِ بےکراں میں سے نئے نئے شاہکارتلاش کرنے کی سعی اور کاوش کرتے رہتے ہیں اور تغیر و ارتقا پذیری سے خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں۔وہ بھی جوں جوں فطرت کی رعنائیوں سے واقف ہوتے جاتے ہیں ان کی سر مستیاں بڑھتی جاتی ہیں اور وہ ایک دن اقبال بن جاتے ہیں۔جو خود بھی کائنات کے بارے میں یوں گویا ہیں:

رنگ ہو خشت و سنگ ہو یا حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
( )

سائنسی علوم اور فنون اس دور کی تہذیب کے جزو لاینفک ہیں ۔اس لیے ان کو دیکھ کر شاعر کے حواس میں ان کا اثر لازمی ہوتا ہے۔

سید وحید الدین کہتے ہیں کہ اقبال صاحب سے پوچھا کہ آپ پر شعر کیسے اترتے ہیں تو انھوں نے فارمن کرسچن کالج کے پرنسپل کا واقعہ سنایا کہ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے پیغمبر پر قرآن کا مفہوم نازل ہوا ہو گا انھوں نےاسے عربی زبان میں میں منتقل کیا؟اقبال نے جواب دیا کہ یہ عبارت اسی طرح اتری تھی۔ جس پر وہ پرنسپل حیران ہو گئے کہ آپ جیسا پڑھا لکھا آدمی اس پر یقین کیسے کر لیتا ہے؟ تو اقبال نے جواب دیا کہ یہ کیفیت مجھ پر خود آتی ہے کہ جیسے شکاری پانی میں جال لگا کر بیٹھا ہوتا ہے اور اچانک جال مچھلیوں سے بھر جاتا ہے۔اس طرح مجھ پر بھی ایک خاص وقت میں شعر نازل ہوتے ہیں۔جیسے غالب نے یہ کہا تھا :

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے
( )

بہرحال یہ بھی ایک سائنسی توجیہہ ہے کہ کلامِ الٰہی بھی اسی طرح نازل ہوا ہو گا۔ اقبال نے کہا کہ مجھ پر مسلسل شعر اترتے ہیں اور پھر جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میں ایک قسم کی تھکان محسوس کرتا ہوں۔

مشہور جرمن شاعر گوئٹے کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنے بعض دوستوں سے کہا کہ جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو میری روح میرے جسم میں کانپنے لگتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ الہامی کتاب ہے جو روح کو جھنجھوڑ دیتی ہےاور اقبال پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کپکپی محسوس ہونے لگتی ہے۔

اس حوالے سے ہم جدید سائنسی نظریات کے ذریعے سے حرکت کے ضمن میں اقبال کے اشعار کی تشریح کرنے کی کوشش کریں گے۔

مظاہر فطرت میں حرکت ہی سے زندگی میں ہلچل جاری ہے کہ۔

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات

جیسے کہ آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے ہوتے ہیں اور جب آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی جائے تو آسمان پر ستاروں کے درمیان دودھیا رنگ کا ایک راستہ نظر آئے گاجو

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

آسمان کی وسعتوں میں گم ہوتا ہوا نظرآتا ہے۔کچھ ایسے ستارے بھی ہوں گے جو موسموں کے تغیر وتبدل کے ساتھ سامنے آتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں ۔رات کو زیاہ دیرتک مشاہدہ کیا جائے تو ستاروں کا ایک کارواں گھرے سکوت اور خاموشی کے ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف محو سفر ہوتا ہے ۔ جیسے کہ:

تاروں کا خاموش کارواں ہے   یہ قافلہ بےذرا رواں ہے

صبح ہوتے ہی یہ ستارے خاموشی سے ایک ایک کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔ جب سورج دن بھر کی مسافت طے کر کے مغربی افق میں غروب ہوتا جائے گا تو یہ پھر سے ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔اسی سے حرکت و عمل کا نظریہ سامنے آتا ہے۔اقبال کہتے ہیں :

سورج نے جاتے جاتے شام سیہ فتابو   طشت افق سے لالے کے پھول مارے
پہنادیا شفق نے سونے کا سارا زیور   قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے
مخمل میں خامشی کے بیلائے ظلمت آئی   چمکے عروس شب کے وہ موتی پیارے پیارے

کہتا ہے جن کو انسان اپنی زباں میں تارے   ( )

پھر یہی تارے رات بھر ہمیں مشرق سے مغرب کی طرف حرکت میں نظر آتے ہیں۔یوں یہ سلسلہ بغیر کسی پس و پیش کے جاری و ساری رہتا ہے اور تاابد جاری رہے گا۔
بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ رات کی تاریکی میں نیلگوں آسمان پر اچانک ایک شہاب ثاقب ٹوٹتا ہے اور رات کی گہرائیوں میں آسمان پر ایک لکیر بناتا ہوا افق کی گہرائیوں میں جا کرگم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب طلوع سحر کے آثار آہستہ آہستہ نمودار ہوتے ہیں اور آپ ایک سمندر کے کنارے کھڑے ہیں تو تاحدِ نگاہ وہ سمندر آپ کو سامنے پھیلا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔اقبال کے بقول :

رات کے پچھلے پہر روتی ہیں جب چشم نجوم
الفت دیرینہ کی وادی میں اتر جاتا ہوں میں   ( )

اسی دوران آپ حرکت کی ایک اور مثال پر غور کریں کہ آپ شہر میں داخل ہوتے ہیں اور ہر طرف شوروغل کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ہر طرف ہرقسم کی گاڑیاں حرکت میں ہوتی ہیں۔فضاگرد اور دھوئیں سے اٹھی پڑی ہے۔اس حوالے سے اقبال نے کہا ہے :

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دتے ہیں آلات   ( )

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)

Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

یعنی یہ مشینی دور انسان کو مشین بنا کر رکھ دیتا ہے اور احساسِ مروت ختم ہو جاتا ہے۔اسی طرح سمندر میں چلتی ہوئی کشتیاں اور جہاز بھی حرکت میں ہوتے ہیں۔اسی طرح بسنت میں فضا میں تیرتی ہوئی پتنگیں بھی آپ کی توجہ کھینچ لیتی ہیں اور یوں حرکت و عمل کا ایکلامتناہی سلسلہ چاروں طرف پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی سارے متنوع مناظر عالمِ فطرت کی ایک بڑی حقیقت"حرکت"سے موسوم کرتے ہیں۔

جب طبعی سائنس پر نظرڈالی جائے تو یہ بات سمجھ مین آتی ہے کہ اس سے پہلے زندگی کی حقیقتیں کائنات کے بارے میں ہماری رہنمائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اب اگر ایک لمحۃ کے لیے سوچا جائے کہ حرکت نہ ہو۔دن اوررات میں سورج اورتاروں کی حرکت نہ ہو، زمین سورج کے گرد گھومنا بند کرے۔تو موسموں کا تغیر و تبدل ناپید ہو جائے گا۔ اس طرح انسان کی زندگی میں حرکت و عمل نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا اور سب کچھ جامد ہو کر رہ جائے گا۔ پوری کائنات رک جائے گی جو ابر (Atoms) سالمات(Molecules) ساکن ہو کر دنیا میں ہر چیز کا وجود ختم کر دیں گے۔اس تصور میں اُ دیکھیں گے کہ پورا زمانہ رک جائے گا اور موت سامنے آ کر کھڑی ہو جائے گی۔ اقبال کہتے ہیں :

دما دم رواں ہے یمِ زندگی — ہر اک شعلے سے پرا زم زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود — کہ شعلے میں پوشیدہ ہے عروج درد
( )

ان سارے مطاہر کا تعلق طبعی اور مکینکل حرکت سے ہے اور اس حرکت کے متعلق نظریات نظریات بھی انسان نے ارتقائی منازل طے کی ہیں۔ان معلومات کے متعلق سب سے پہلے یونان میں شعور پیدا ہوا۔ ارسطو(۳۸۴۔۳۲۲)نے حرکت کے مظاہر کا مشاہدہ کیا۔ کہ زمین کیوں خرکت کرتی ہے۔پتھر اور بھاری چیزیں اگر پانی میں گرائی جائیں تو وہ نیچے کی طرف کیوں جاتی ہیں۔ حرکت کے متعلق ارسطو کا نظریہ زیادہ واضھ ،میکانکی اور بنیای جز ہے۔اس کا نظریہ یہ تھا کہ جب تیر ہوا میں حرکت کرتا ہے کہ تیرکو ہوا آگے کی طرف دھکیلتی ہے۔دھکینا ایک قسم کی مقامی آندھی ک طرح ہے۔ ارسطو کا یہ نظریہ غلط بھی تھا۔ کیوں کہ وہ جمود کو پوری طرح سمجھ نہیں پایا تھا۔ ان یونانیوں کے نظریات زیادہ تر نظریاتی تھے س لیے کچھ غلط بھی ثابت ہوئے۔

یونانیوں اور رومیوں نے بحیرہ روم کو تسخیر کر لیا لیکن انھیں سائنس سے کچھ خاص دلچسپی نہ تھی ۔ اس دوران ایک یونانی فلاسفر بطلمیوس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین ساکن ہے۔سورج، چانداورستارےاس کے گرد حرکت میں ہیں اور یہ کہ زمین خدا کے بیٹے کی جنم بھومی ہونے کی وجہ سے ساکن ہے۔ بعد میں یہ نظریہ باطل ہو گی اور یہ نظریہ سامنے آیا کہ زمین بہت سے سیاروں کی طرح ایک سیارہ ہے جو سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔

بعد میں اسلامی نظریات نے ساتویں صدی عیسویں میں اپنی اہمیت بنانی شروع کی۔دورِ جدید کے سائنسی نظریات بھی اسلامی نظریات سے اپنا چراغ روشن کرتے ہیں۔

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

لیکن ہم نے اپنے اسلاف کے سائنسی کارناموں سے کچھ حاصل نہیں کی اور آہستہ آہستہ اسلامی دنیا اپنے اسلاف کے ارستے سے ہٹتی چلی گئی۔اقبال نے اس تنزل کو یوں بیان کیا ہے :

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا ( )

یہی وجہ ہے کہ اس کی وجہ سے ابھی تک ہمارے دل میں ٹیسیں ضرور اٹھتی ہیں اور اقبال یوں بھی کہتے ہیں :

مگر وہ علم کی موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا ( )

بہرحال یہ دیگر موضوعات تھے مگر اقبال کے ہاں "حرکت"کا نظریہ ان کے کلام میں پوری طرح سے کارفرما نظرآتا ہے۔

حرکت کے لیے جب دوسرے قانون پر ہم نظرڈالتے ہیں تو:

"

"

علم کے حیرت کدہ میں ہے کہاں اس کی نمود
گل کی پتی میں نظر آتا ہے راتِ ہست و بود ( )

یہ نظریہ ایک اور جگہ یوں بیان کیا گیا ہے :

اس ذرہ کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم
یہ زرہ نہیں، شاید سمٹتا ہوا صحرا ہے ( )

یعنی اقبال کے ہاں نیوٹن کا یہ دوسرا قانون بھی ان کی شاعری میں پوری طرح نظر آتا ہے۔

سائنس کا ایک اور قانون ہے کہ دائرے کا سفر ایک فطری سفر ہے۔ یہ دراصل ایک اسراع پذیر سفر ہے اور اس میں شرح رفتار(Velocity) یکساں ہوتی ہے۔لیکن سفر کی

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)
Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

سمت مسلسل تغیر پزیر ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ ایک آفاقی قوت تمام سیاروں کو اپنے مدار میں محوِ سفر رکھتی ہے اور خطِ مستقیم کی بجائے خمیدہ راستے اپنانے پر مجبور کرتی ہے۔ یہی بات اقبال کے ہاں بالفاظِ دیگر یوں بیان ہوئی ہے :

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نقطہ تاروں کی زندگی
( )

نیوٹن کا تیسرا قانون اس طرح ہے کہ کرہ ارض کی اپنی ایک کشش ہے ۔اس وجہ سے ہر چیز زمین کی طرف گرتی ہے۔ مثلاً ایک اینٹ گرتی ہے تو زمین کی جانب۔ سائنسی مشاہدات اور تجربات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ذرے سے لے کر کہکشاں کے عظیم جھرمٹوں تک ہر وجود حرکت پیہم میں مصروف ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی

( )

اور ایک آخری شعر ہے جس میں اقبال نے جہاں معنی بھر دیئے ہیں :

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں
( )

سائنس جوں جوں تخلیقِ کائنات کے پوشیدہ راز ظاہر کرتی جائے گی قرآن پاک کے معجزے ا س سے آگے آگے ہوں گے۔خالق کائنات سے زیادہ قدرت کے رازوں کو کون جان سکتا ہے۔سائنس اور مذہب کے مناقتباسات ضم ہونے کو ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بقول:

"

:

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت
کی طاقتوں کو
اس کی بے‌تاب بجلیوں سے خطر میں ہے
اس کا آشیانہ
( )

یعنی اسلام ہردور کے تقاضوں کو پورا کر سکنے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے اور یہ دینِ فطرت ہے۔ اسلام کا مذہبی نصب العین اس معاشرتی نظام سے منسلک ہے ۔اسلام ہی

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

نے انسانیت کو تباہی سے بچایا ہے۔ مثلاً آج کی دنیا کو دیکھیں تو یہ اپنے انجام کی طرف تیزی سے بڑھتی جارہی ہے۔بلکہ تباہی و بربادی ہمارا مقد بن چکی ہے۔بدکاریوں سے کائنات ختم ہو رہی ہے۔وجہ کیاہے؟ کہ مسلماننن نے اللہ کی رسی کو پوری طرح نہیں پکڑا۔بلکہ ہم اللہ سے دور ہو گئے ہیں۔ جس سے نہ ہم بلکہ پوری دنیا میں باطل نظریات نے جگہ پا لی ہے اور یوں اب اس دنیا کو تباہ و برباد ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے ان باتوں میں قرآن کی ترجمانی کی ہے ۔یعنی اسلامی تہذیب ہی حقیقت مطلق کا مرکز و محورز ہے۔اسی ایک ذات باری تعالیٰ کی فرمان برداری ہی پوری انسانی زندگی کو متحد کر سکتی ہے۔اقبال کہتے ہیں :

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات
( )

بہر حال یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلامی تعلیمات سے ہی زندگی میں امن و آتشی کا ظہور ممکن ہے۔ورنہ دنیا تو ویسے بھی اپنے منطقی انجام کی جانب رواں دواں اور گامزنِ سفر ہے۔یہی اقبال کی بھی خواہش ہے کہ الٰہیاتِ اسلامیہ کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق سائنس کی زبان میں پیش کیا جائے۔مگر آج ہم نے اقبال کے بیانات کو پسِ پشت ڈالا ہوا ہے۔ بلکہ ہم مکمل طور پر دین سے دور ہو گئے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مغرب نے دنیا کو سرمایہ داری کی شکل میں ایک ظالمانہ اور بےحس نطام دیا جس نے دنیا کو تباہی کے دہانے پر پہنچادیا ہے۔اقبال کے نزدیک قرونِ وسطیٰ سے ہی ملوکیت اور ملائیت ایک دوسرے کے دست و باوز بن گئے تھے۔ اور دونوں مل کر ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرتے رہے۔وہ کہتے ہیں :

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کرے
( )

اسی طبقے کی وجہ سے مسلمانوں میں اتفاق کی جڑ نمو نہیں پارہی اور یہ دونوں مل کر اسلام کے نفاذ کو مشکل سے مشکل بنا رہے ہیں اور ہمارا برسرِاقتدار طبقہ اسے اپنے اقتدار کے لیے ضروری سمجھتا ہے اور سادہ لوح عوام ان کے ہاتھوں میں کٹھ پُتلی بنی ہوئی ہے۔اقبال کہتےہیں :

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتہ سلطان و ملائی و پیری
( )

اس خرابی کا ذکر وہ اپنی نظم"ابلیس "میں یوں کرتے ہیں :

مست رکھو ذکر و فکر صحبگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو نظام خانقاہی میں اسے
( )

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)

Online ISSN 3007-3197 | Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

دنیا باہم کشش سے ہی سارے نظام کو قائم رکھتی ہے اور اسی حرکت کے ذریعے سے جذب باہمی سے قائم یہ نظام سارے ہیں۔

قدیم دور کا انسان زمین کو پوری کائنات میں ایک مرکزی حیثیت دیتا تھا کہ سارا نظام اسی کے گرد رواں دواں ہے مگر یہ نظریہ باطل ہو گیا ہے کہ اب سارے نظام کا مرکزی نقطہ سورج ہے اور سارے ستارے زمین سمیت اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ یعنی گردش میں ہیں۔ یعنی ساری کائنات آسمان، شمس و قمر اور ستارے ایک آفاقی قوت کے سامنے مسلسل حرکت پر مجبور ہیں ۔اقبال کا کہنا ہے :

آسمان مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
(   )

گردش تاروں کا ہے مقدر
ہر ایک کی راہ ہے مقرر
(   )

جا جو صورت گرہستی کا اک اعجاز ہے
پہلے سیمابی قبا محو خرام ناز ہے
(   )

یعنی ان کا کہنا ہے کہ ساری دنیا کے نظام ایک دوسرے کی محبت اور کش مکش کی وجہ سے قائم ہیں۔ کہکشاؤں میں ستاروں کے نظام اس وقت تک قائم ہیں جب تک ان میں باہمی کشش موجود ہے :

بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم　　　خلاف معنی تعلیم اہل دیں میں نے
کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر　　　لگا کے آئینہ عقل دوربیں میں نے
ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے　　　پوشیدہ یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں
(   )

جس سورج کے گرد سیاروں کے مدار،سورج اور سیاروں کی خودیوں کی قوت جاذبہ کی تراضی طرفین کے نتیجے سے متعین ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے اپنے چاندوں کو ساتھ لے کر اپنے اپنے مداروں پر سورج کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ا س طرح کہکشاں کے مرکز میں ایک ایسا روزن سیاہ Black Hole ہے جس کی مقدار مادہ تیس لاکھ سورجوں کے برابر ہے۔اس روزن سیاہ کی خودی اتنی مستحکم ہے کہ کہکشانی نظام کے سارے ستارے اس کی خودی کی قوت جاذبہ کی وجہ سے اس کے گرد گھومنے پر مجبور ہیں اور یہ قوتِ جاذبہ سے اپنے متعلقہ مداروں پر گھومتے چلے جا رہے ہیں۔اسی طرح اقبال

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)

Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

کے مطابق انسان کے اندر خودی کی جو طاقت ہوتی ہے وہ عشق و محبت سے مضبوط و مستحکم ہوتی ہے۔ان کے خیال میں وہ نقطہ نور جس کا نام خودی ہے ہماری خاک کے اندر زندگی کی ایک چنگاری ہے اور اس خودی کے ذریعے سے زندگی روشن ہو جاتی ہے۔اقبال کے سارے نظریات میں خودی کو سب سے بلند درجہ حاصل ہے ۔ کیوں کہ یہی خودی خود شناسی ہے جو ساری کائنات میں رواں دواں ہے اور اس سے کائنات کی ساری ڈوریاں بندھی ہوئی ہیں۔ یہی خودی انسان کو مسلمان بناتی ہے۔وہ کہتے ہیں :

جباری و قہاری و قدوسی وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
( )

مجموعی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سائنسی نظریات جس بات کو دنیا کے لیے ضروری سمجھتے ہیں وہ ہمارے دین نے آج سے پندرہ سو سال پہلے کہہ دیئے تھے اور یہی باتیں اقبال کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ علامہ اقبال،کلیاتِ اقبال، (اردو)شیخ غلام علی اینڈسننز پبلیکیشنز لاہور،۱۹۸۷ء،ص۳۸۷
۲۔ مرزا اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، فضلی سنزپبلشرز، لاہور،۲۰۰۵ء،ص۱۲۱
۳۔ علامہ اقبال،کلیاتِ اقبال، (اردو)،ص۳۰۱
۴۔ ایضاً،ص۳۰۸
۵۔ ایضاً،ص۴۱۲
۶۔ ایضاً،ص۲۳۰
۷۔ ایضاً،ص۱۸۰
۸۔ ایضاً
۹۔ ایضاً،ص۶۵
۱۰۔ ایضاً،ص۱۷۹
۱۱۔ ایضاً،ص۱۷۴
۱۲۔ ایضاً،ص۴۱۸
۱۳۔ ایضاً،ص۱۴۸
۱۴۔ ایضاً،ص۴۲۲
۱۵۔ ایضاً،ص۴۹۹
۱۶۔ ایضاً،ص۵۱۲
۱۷۔ علامہ اقبال،کلیاتِ اقبال، (اردو)،ص۶۷۰
۱۸۔ ایضاً،ص۶۵۷
۱۹۔ ایضاً،ص۲۲۶
۲۰۔ ایضاً،ص۱۴۸

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 4, Issue 3 (2026)
Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

٢١. ایضاً،ص١٥١
٢٢. ایضاً،ص٨٢
٢٣. ایضاً،ص٥٠٦
٢٤. ایضاً،ص٥٠٧